

سلسلے وار ناول

قسط 2

پلکوں سے اٹھاؤں اس کو

رفعت سراج

محبت کا پرندہ بسیط فضاؤں میں رقص کرتا ہے۔
انا قید خانہ ہے۔

محبت سپردگی ویسے ساختگی کا استعارہ ہے۔
انا ماضی کا اپنی شکنجہ ہے۔

محبت امن ہے... انا جنگ ہے۔

محبت من کا سرور ہے... انا ”دکھ بدن“ ہے۔

محبت بہاؤ ہے... انا مزاحمت ہے۔

محبت فراموشی ہے جس سے چراغ جلتے ہیں۔

انا عیارِ نہایت ہے جس سے ایٹم بم بنتے ہیں۔

محبت کائنات کا ضمیر ہے... انا شیطان کا خمیر ہے۔

محبت کے نصاب میں سوال ہیں۔

محبت خیر مقدم ہے... انا ماتم ہے۔

محبت جنازہ پڑھواتی ہے... انا جنازہ اٹھواتی ہے۔

محبت علیین... انا سافلین۔

وہ مرے پاس ہے کیا پاس بلاؤں اس کو
دل میں رہتا ہے کہاں ڈھونڈنے جاؤں اس کو
قید کر لوں اسے آنکھوں کے نہاں خانے میں
چاہتا ہوں کہ کسی سے نہ ملاؤں اس کو
چلنا چاہے تو رکھے پاؤں مرے سینے پر
بیٹھنا چاہے تو آنکھوں پہ بٹھاؤں اس کو
وہ مجھے اتنا تنگ اتنا تنگ لگتا ہے
کبھی گر جائے تو پلکوں سے اٹھاؤں اس کو

دوروں سے نڈھال اکیسویں صدی کے آدم دحو کی کہانی

شمسہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی چونک پڑیں..... واصف گہری سوچ میں گم خالی، خالی آنکھوں سے دیواری
طرف مگھور رہا تھا۔

قدموں کی آہٹ پاتے ہی وہ چونک کر سنبھلا تھا۔

”السلام علیکم.....“ سامنے ہاں کو پا کر سلام کرتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔



”علیکم السلام..... خیریت آج جلدی آگئے؟“ شمسہ نے ہینڈ بیگ اور نوٹ بکس کا ہینڈل ٹیبل پر رکھتے ہوئے بغور و اصف کا چہرہ دیکھا۔
 ”گیا ہی نہیں.....“ وہ مختصر اکہہ کر اپنے روم کی طرف بڑھا۔
 ”صبح سے گھر پر ہی ہو.....؟“ شمسہ کے منہ سے یونہی نکل گیا تھا۔
 ”جی..... صبح ہی سے ساموں کے گھر میں ہوں..... آپ بتائیں مجھے کہاں جانا چاہیے تھا؟“ وہ پھر الٹا پڑ رہا تھا۔
 شمسہ نے خاموشی میں ہی بہتری جانی اور ایک گہری سانس لے کر صوفے پر گر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں اور صوفے کی بیک سے سر نکا دیا۔

☆☆☆

”زین اس وقت تم مجھ سے کوئی فضول بات نہیں کرو گے..... that's all“ عرشہ اپنے بیڈ روم میں ایزی چیئر پر نیم دراز آہستہ، آہستہ جمولے لے رہی تھیں۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ اور خشکی کا تاثر واضح تھا۔
 ”مام..... آپ کو تو ویسے بھی پریشان ہونے کا ضرورت سے زیادہ ہی شوق ہے۔“ زین نے بڑی اداسہ منہ بنا کر شانے اچکائے۔ پھر اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر نسوانی انداز میں گویا پھٹ پڑا۔
 ”اُف..... مائی گاڈ..... میرے تو کان پک گئے ہیں سن، سن کر.....“
 عرشہ نے غصے سے گھورا۔

”میں کبھی ہوں جاؤ یہاں سے..... ممی کی ڈائننگ روم کھو گئی ہے۔ بچاری ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو رہی ہیں۔“
 زین نے بڑی دزدیدہ نگاہ عرشہ پر ڈالی تھی۔
 ”یو مین میڈ۔ بٹ میڈ پرسن کو تو دنیا کی چیزوں میں کوئی اٹرنسٹ ہی نہیں ہوتا..... وہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بڑے کوفت کے انداز میں بولا تھا۔

”ہائے اللہ..... تا نوکیا کریں گی اتنی دولت کا..... اپنا نام پورا کر چکی ہیں..... بوس پر چل رہی ہیں..... اللہ کا شکر ادا کریں..... بڑی رہیں..... رنگ ڈھونڈ رہی ہیں.....“
 ”شٹ اپ.....“ عرشہ اب جلا اٹھیں..... مگر زین کو فرق نہیں پڑا تھا۔

”ایک انگوٹھی تم ہونے سے آپ لوگوں..... I mean اہم لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔“
 ”لوٹ کا مال نہیں ہے..... محنت کی کمائی ہے..... میرے لاڈ پیار نے تمہیں بہت لگاڑ دیا ہے..... مگر مجھے ٹھیک کرنا بھی آتا ہے..... تمہاری باکٹ منی کم کروں گی..... اور تمہیں کار بھی allow نہیں کروں گی۔“ عرشہ نے دھمکی دی۔
 ”آپ یہ نہیں کر سکتیں..... کر کے دکھائیں تو پہلے.....“ زین دیکھنے کھڑے کے مصداق جان کو آ رہا تھا۔
 ”جب اپنی کرنے پر آؤں گی تو تمہیں اب مجھ سے پتا چلے گا.....“ عرشہ نے پھر دھمکی دی۔ زین نے مسکرا کر عرشہ کی طرف دیکھا۔

”کوئی ضرورت مند ہوگا..... اچھا ہوا رنگ اس کے کام آگئی..... آپ کو تو ثواب ملے گا۔“ یہ کہہ کر تیزی سے وہ نکل گیا۔

عرشہ کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔ انہوں نے بڑی بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھا۔
 اب وہ ہونٹ دانتوں تلے دبائے گھٹ، گھٹ کر رو رہی تھیں۔

☆☆☆

”اسٹوڈنٹ لائف میں کون اتنے مہنگے، مہنگے گفت دیتا ہے۔ پانچ ہزار وہ بھی برتھ ڈے گفٹ کے



لیے۔؟“ سارہ حیرت و غصے کی ملی جلی کیفیت میں فری کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ فری تو جیسے غصے سے تیتھے کی طرح ناچ، ناچ گئی۔

”ماما..... آپ کی کجوسی سے تو حد ہے..... گفت دیتے ہوئے کلاس بھی دیکھی جاتی ہے۔“
 ”اپنی حیثیت بھی دیکھی جاتی ہے۔“ سارہ نے فوراً بات کاٹ کر کہا تھا۔ فری نے جیسے بے بسی سے اپنے بال ہی نوچ ڈالے تھے۔ اسے ماں پر حیرت ہو رہی تھی جو پانچ ہزار کو بہت بڑی رقم سمجھ رہی تھیں۔
 ”پاپا جس سیٹ پر ہیں ناں..... لوگ ساری زندگی اس سیٹ کے خواب دیکھتے ہوئے مر جاتے ہیں۔ پاپا آئی جی آفس میں ایک فون کریں تو سارا اسٹاف چیئر چھوڑ دیتا ہے۔“ فری بے شکل خود کو سنہال رہی تھی ورنہ تو پھٹ پڑنے کی آرزو تھی۔

”آخر آپ کو کمپلیکس کیا ہے؟“

”شٹ اپ..... ماں سے بات کر رہی ہو..... ریسوں کے اسکول کالج میں بٹھا دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں.....“

”ہاں تو کیوں بٹھایا تھا.....؟“ فری نے پھر بدتمیزی سے بات کاٹی تھی۔

”سرکاری اسکول میں پڑھاتیں.... تو کلاس فیلوز کو بیس روپے کی ڈیری ملک دے کر وٹ کر تی۔ مجھے نہیں پتا مجھے تو فائیو تھاؤزینڈ ہی چاہئیں.....“ فری نے دھب سے بیڈر گر کر بیٹھتے ہوئے دودھ پیتے پیچ کی طرح ضد کی۔

”جاؤ اپنے پاپا سے لو..... وہ ہمیشہ میری رائے کے خلاف جاتے ہیں، اسی لیے آج تمہارا یہ حال ہے۔“ بولتے، بولتے اچانک ایک خیال کے تحت وہ چونک پڑیں۔
 ”تم نے اپنی دوست کا سیل فون واپس کیا؟ ابھی میں نے تمہارے پاپا کو تمہاری اس حرکت کے بارے میں نہیں بتایا۔“ اسی وقت سالار صاحب نے اندر قدم رکھا تھا۔
 اندر آتے ہوئے انہوں نے سارہ کے آخری الفاظ سن لیے تھے۔

چہرے پر فکر و تشویش کے تاثرات واضح تھے۔
 ”کیا نہیں بتایا؟“ انہوں نے بولتے ہوئے سوالیہ نظروں سے سارہ اور فری کی طرف دیکھا۔
 ”اپنا سیل فون توڑ کر بیٹھ گئی پھر دوست سے مانگ لیا۔“

سالار صاحب نے حیرت و دکھ کی کیفیت میں فری کی طرف دیکھا تھا۔
 ”ہاں تو پھر کیا کرتی، ماما نے سیل فون کے لیے پیسے ہی نہیں دے رہی تھیں۔“ فری نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا تھا۔

سالار صاحب نے غصے سے سارہ کی طرف دیکھا۔ اس سے بیشتر کچھ بولتے سارہ فوراً بول پڑیں۔
 ”معلوم بھی ہے آپ کو ایک لاکھ والا فون مانگ رہی ہے۔“
 سالار صاحب نے سکون کی گہری سانس لی۔

”میں تو ڈر رہی گیا تھا کہ پتا نہیں کتابز والا شو ہے.....“ چند سیکنڈ توقف کیا اور فری کی طرف یوں دیکھا جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔

”آج کل مہنگائی اتنی ہو گئی ہے کہ لاکھ تو اپنی ویلیو ہی کھو بیٹھا ہے۔ سیل فون بھی مہنگے ہو گئے ہوں گے۔“
 سارہ اور فری اپنی، اپنی جگہ حیرت اور الجھن میں مبتلا تھیں۔
 ”اسے اپنا ویزا کارڈ دے دو..... ڈرائیور کے ساتھ جا کر لے آئے گی مجھے کون سا تین چار بیٹیوں کو فون دلانا ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور فری کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔

”بس اتنی سی بات؟“
 ”پانچ ہزار گفٹ کے لیے بھی جائیں.....“ سارہ بدقت تمام اپنا غیظ و غضب کنٹرول کر رہی تھیں۔
 ”گفٹ؟“ سالار صاحب سمجھے نہیں۔

”پاپا وہ میرا بیچارہ سافرینڈ ہے ناں..... زین..... اس کی برتھ ڈے سیلی بریٹ کر رہے ہیں..... ہمارا گروپ اس کو گولڈی چین دینا چاہ رہا ہے۔“
 سالار صاحب نے حیرت کی آخری انتہا پر فری اور پھر سارہ کی طرف دیکھا تھا۔ جس پر سارہ نے خفگی سے منہ پھیر لیا تھا۔

”زین..... وہ تو لڑکا ہے؟ گولڈی چین تو لڑکیوں کو دی جاتی ہے۔“
 ”آپ کو نہیں پتا ناں..... اسے چین پہننے کا بہت شوق ہے۔ کبھی، کبھی تو وہ اپنی مام کا بریسلٹ بھی پہن لیتا ہے۔“
 سالار صاحب ایک بار پھر اپنی جگہ ٹھوڑے سے ہل کر رہ گئے تھے اور سارہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
 اب بہت ہو گئی تھی..... سارہ تیزی سے کچن کی طرف چلی گئیں۔

”وہ بہت انوسنٹ ہے پاپا..... تم تو اسسا اینارٹل بھی ہے اس لیے ہم اس کا بہت خیال کرتے ہیں..... ورنہ کالج میں تو سب اس کا مذاق ہی اڑاتے ہیں۔ اسے ہرٹ کرتے ہیں۔ کبھی، کبھی تو وہ بچوں کی طرح رونے لگتا ہے،

پھر ہم سب فریڈز اس کو خوش کرنے کے لیے باہر لے جاتے ہیں۔“

فری بول رہی تھی، سالار صاحب بہت توجہ سے سن رہے تھے اور بہت گہری سوچ میں نظر آ رہے تھے۔

”اوکے..... بالآخر انہوں نے ایک گہری سانس لے کر جیسے خود کو تارل کرنے کی کوشش کی اور پیٹ کی جیب

سے والٹ نکال کر پانچ ہزار کا نوٹ فری کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ..... بہر حال مجھے اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ میری بیٹی میں کم از کم اتنی انسانیت تو ہے کہ وہ اپیشل

لوگوں کا مذاق نہیں بناتی۔“ فری حیرت و خوشی سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

”اپنا سیل فون توڑ کر بیٹھ گئی اور اب دوست سے فون ادھار مانگ کر گزارہ کر رہی تھی۔“ شمسہ سبزی کاٹتے

ہوئے نگاہ پر خود کلائی کر رہی تھیں درحقیقت واصف کو خبر دے رہی تھیں جو بالکنی سے واپس آتے ہوئے چائے کا

آخری کھونٹ بھر رہا تھا۔

”بہت اچھا فریڈ کر رہے ہیں ماموں اپنی بیٹی کو.....“ واصف طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ چائے کا کپ کچن

اؤنٹر پر رکھتے ہوئے گویا ہوا۔

شمسہ نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس سینے سے آزادی لی۔

”بائی داوے..... ماں..... آپ کے خاندان میں لڑکیوں کو پہلے حد سے زیادہ آزادی دی جاتی ہے..... اور

پھر آزادی دینے والے سزا بھی خود ہی سناویتے ہیں..... کوئی نفسیاتی بیماری لگتی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اپنے روم میں چلا

گیا اور جھلاہٹ کی کیفیت میں دروازہ بند کیا۔ دروازہ بند ہونے کی زوردار آواز پر شمسہ دل سی گئیں..... انہیں ڈر

ہوا کہ اب بھائی کی آواز آئے گی کہ ”گھر رہنے کے لیے دیا ہے دروازے توڑنے کے لیے نہیں.....“

”مجھے موقع ملے تو سب سے پہلے تمہارا علاج کراؤں.....“ انہوں نے کچرا شاہ پر بھرتے ہوئے بند

دروازے کی طرف دیکھا اور پھر منہ ہی منہ میں کہا۔

”میری تو مگر زنگنی..... تمہاری تو زندگی پڑی ہے۔“ ایک آنسو جانے کس تہ میں چھپا کھینے کا بہانہ دیکھ رہا تھا۔

شمسہ نے انگلی سے جھٹک دیا۔

☆☆☆

”اب بھی وقت ہے تم لوگ سچ بول دو گے تو معاف کر دوں گی۔ چور تو ایک ہی ہوگا اور وہ تمہی میں سے

ہوگا۔“ ثمنینہ نے سارے نوکروں کو لائن حاضر کیا ہوا تھا اور خفیہ ادارے کے افسر کی طرح پلک جھپکائے بغیر ایک

ایک کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

”بیگم صاحب..... تین سال سے اس گھر کا نمک کھا رہا ہوں..... آج تک چائے پر ملائی نہیں ڈالی..... کبھی

تنخواہ بڑھانے کا نہیں بولا..... آپ نے اپنی مرضی سے مہربانی کی، آپ کا احسان مانتا ہوں.....“ بٹلر کی عمر ساٹھ

پینسٹھ کے لگ بھگ تھی احساسِ ذلت سے چور، چور ہو رہا تھا۔

”مرید حسین مجھے قاعدہ پڑھ کر سنانے کی ضرورت نہیں.....“ ان نے نویلے رنگروٹوں پر نظر رکھنا بھی تمہاری

ڈیوٹی ہے.....“ ثمنینہ نے پاٹ دار آواز میں گرج کر کہا تھا۔

”نیا نو یلا تو کوئی نہیں ہے بیگم صاحب..... سب ہی سالوں سے کام کر رہے ہیں..... بس تو یہ کو دوسرا برس لگا

ہے.....“ بٹلر مرید حسین کا اشارہ ڈرائیور کی طرف تھا۔

”ہوں..... اوں..... اوں.....“ ثمنینہ نے ایک لمبی سی ہوں کے ساتھ تصویر کی طرف دیکھا تھا۔ پرلے درجے کا

ایمانداری تو یہی طرح تپ گیا۔

”دوسال سے میں نکلے کی انگلی کے انتظار میں بیٹھا تھا؟ اتنا بڑا نکل..... کھلا پڑا ہے..... بہت کچھ تھا چوری کرنے کے لیے..... ارے مجھے نہیں کرنی ایسی ذلت والی نوکری..... مجھے معاف کر دیں بیگم صاحب..... مجھے حساب بھی نہیں کرنا..... بس مجھے اجازت دیں۔“ تو یہی کی اناری طرح بلبلانی اور وہ فیصلہ کن ہو گیا۔

”خبردار ایک قدم آگے بڑھایا۔ بہت جلدی ہے بھاگنے کی..... اس کا مطلب ہے تو نے سال دو سال کا تو بندوبست کر لیا ناں۔“

سینئر ڈرائیور سے کتابیں گيا۔

”بھاگوں نہیں تو کیا.....؟“ تو یہی کی انابہت زیادہ مجروح ہوئی تھی وہ تو بارعب شمینہ کے دوبدو ہو گیا جیسے کہہ رہا ہو کہ کھڑا ہوں مار دو گولی۔

”بیگم صاحب..... ہم سب آپ کا نمک کھاتے ہیں، ٹھنڈے گھر میں رہتے ہیں۔“ اس کا اشارہ گھر میں سینئر اے سی کی سہولت کی طرف تھا۔

”اور ہمیں کیا چاہیے..... اسی پیٹ کے لیے تو انسان حرام، حلال ایک کرتا ہے۔ تین ٹائم پیٹ ٹھنڈا کرتے ہیں..... خود ہی نیامتا (نعمت) کو ٹھوکے ماریں گے؟ عرش بی بی جیسی مالکین نصیب سے ملتی ہے.....“ بولتے، بولتے پرانی ملازمہ امیر بی بی بلک، بلک کر رو پڑی۔

دوسری نوکرائی شام کو بھی بولنے کا حوصلہ ملا۔

”بیگم صاحب تھانے، پولیس میں ہمیں ذلیل نہ کرائیں..... وہ تو سوڈا کے بھی ہم سے قبول کر لیں گے۔“

زین کی سیٹی پر قصاص دھن آس پاس سٹائی دی تھی..... شمینہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

زین اپنے بال سیٹ کرتا ہوا زینہ تر اتر تھا۔ نوکروں کی ایک لائن دیکھ کر ہونٹ سیٹی بجاتے، بجاتے سسز کر رہ گئے۔

”what happened Nano“ یہ لوگ ”pray“ کے لیے کھڑے ہیں۔“

شمینہ نے گھور کر زین کی طرف دیکھا اور بمشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے ادھر ادھر نظر دوڑائی مبادا کسی طرف سے عرشہ آ رہی ہو۔

”its none of your business“ شمینہ نے دانت پیس کر نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

”آف کورس اٹس مائی بزنس..... because“

”اچھا میرا سمرت کھاؤ.....“ شمینہ اب پھٹ پڑیں..... ”گھر میں چوری ہوئی ہے..... اور گھر میں ہی چور ہے..... باہر سے تو کوئی نہیں آیا۔“

”ہم چور نہیں ہیں بیگم صاحب.....“ چند نوکروں کی صدا کورس کے انداز میں بلند ہوئی۔

”جنات ریتے ہیں اس گھر میں.....؟“ شمینہ چلائیں..... عرشہ بیڈروم میں بند تھیں اور ان کے بیڈروم میں آواز نہیں جاسکتی تھی۔ وہ تو روم چلڈ کر کے سونے کی عادی تھیں۔

”بائی داوے..... چوری کیا ہوا ہے؟“ زین کے چہرے پر حیرت، معصومیت اور سادگی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

”صاحب..... ہمیں کیا پتا ہیرا کیسا ہوتا ہے..... سات تسلیں بس دو وقت کی روٹی کے چکر میں پستی آ رہی

ہیں۔“ امیر بی بی کو زین کی وجہ سے کچھ بہتری کی امید نظر آئی..... بھولا بھالا حد سے زیادہ نرم دل..... شیر خواری سے

جوانی تک کے سفر میں ساتھ کی گویا خاموش اشارہ تھا کہ خدا کے لیے زین ہمیں شمینہ کے شکار سے بچاؤ۔

”چھوڑ دیں ناں..... thy are v.innocent“ دیکھیں اس کی طرف، روری ہے بیچاری..... ان کو کیا پتا

ڈائمنڈ کیا ہوتا ہے..... ان غریب لوگوں کی وجہ سے تو میں نے Nike کا جوگراورجیکٹ پہنا چھوڑ دیا ہے، بولٹن مارکیٹ میں ٹیبلوں پر پتل ہو رہا ہے دو نمبر Nike.....“ شمینہ بڑی طبیعت سے پھٹنا چاہ رہی تھیں..... مگر بمشکل خود کو روک رہی تھیں کہ کہیں عرشلہ نہ آئیے۔

”تم کیا کرنے گئے تھے بولٹن مارکیٹ.....؟“

”اچھا پہلے تو آپ ان غریبوں کو release کریں..... ورنہ میں نہیں بتاؤں گا اچھی سی نانو بن کے دکھائیں.....“ زین نسوانی انداز میں دونوں ہاتھ شمینہ کے سامنے پھیلا کر شریر سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ شمینہ پر کڑی گزر گئی..... مگر وہ نوکروں کے سامنے ایک حد کی پابند تھیں بہر حال وہ ان کا نواسر تھا، بہر حال عرشلہ کو فیس کرنا ہوتا تھا۔

”اُس اوکے.....“ انہوں نے زین کو نظر انداز کر کے از سر نو توجہ نوکروں پر کی۔

”ابھی تو تم لوگ اپنا کام کرو..... میں وقت دے رہی ہوں..... مگر رات سے پہلے میں پولیس کو کال کروں گی۔“

ایک طرح سے انہوں نے آخری کارڈ اوپنل پریش کا استعمال کیا۔

”نو، نو..... نانو.....“ زین جاتے، جاتے پھر پلٹ آیا۔

”نانو..... کیا ہو گیا ہے آپ کو..... گیٹ پر پولیس وین آئے گی تو پڑوسی ہمیں کمرنل سمجھیں گے،“

اب ستر سالہ شمینہ کی بس ہو گئی تھی۔

”عرشلہ.....“ وہ مذبانی انداز میں چلائی تھیں۔

”good God“ زین نے دایاں ہاتھ اپنے گال پر رکھ کر قدرے خوفزدہ ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

”زین بہت امیر ہے پاپا.....“ دس پندرہ ہزار سے کم کا گفٹ نہیں دیتا.....“ فری اپنی تمام خواہشات پوری ہونے کے باعث خوشی سے کھلی بڑ رہی تھی۔

سالار صاحب کافی کی چکیاں لیتے ہوئے اس کی بات بہت توجہ سے سن رہے تھے..... فری کا ہنستا چمکتا چہرہ دیکھ کر وہ ایک گوندہ روحانی سکون محسوس کر رہے تھے۔ فری ان کا کل سرمایہ تھی۔ اس کی آنکھ سے گرنے والا ایک آنسو انہیں آگ کا سمندر لگتا تھا۔

”یعنی دس، بارہ فرینڈز پر وہ سیدھے، سیدھے ایک لاکھ اڑا دیتا ہے۔“ سالار صاحب وہ ہلکی سی ہنسی بنے جو شاید ان کی بیٹی کے لیے مخصوص تھی۔

”اس سے زیادہ..... اور وہ جو ہمیں لٹچ برچج کر اتار رہا ہے وہ الگ اور پاپا، آپ کو ایک مزے کی بات بتاؤں.....!“ فری کو اچانک کچھ یاد آیا، ایک دم پُر جوش نظر آنے لگی۔

”ہمارا ایک فیلو سیر ہے ناں..... وہ اپنے پاپا کی پرمیشن کے بغیر ان کی فیورٹ کار کا کالج لے آیا تھا۔“ فری نے بولتے، بولتے بہت غمگین سی شکل بنائی۔

”براہوا کر ایک کیری نے کار کو ہٹ کر دیا۔ سیر تو جیسے اپنے پاپا کے ڈر سے بے ہوش ہی ہو گیا تھا۔ مگر زین نے اس کو بہت دلائی اور اپنے مملکت سے کام کر آیا..... پاپا seventeen thousand (سترہ ہزار) کا بل بنا تھا جو زین نے اپنی پاکٹ منی سے دیا تھا۔“ فری نے جی بھر کر زین کی دھاک بٹھائی۔

”اس کے فادر کے جہاز چلتے ہیں.....“ سالار صاحب نے فری کے بالوں میں اپنی انگلیاں شرارت کے انداز میں چلائیں جیسے اس کا سر کھجرا رہے ہوں۔

”جہاز تو اڑتے ہیں پاپا.....“ فری الجھی۔

”میں ship کی بات کر رہا ہوں۔۔۔۔۔“ سالار صاحب نے اپنی یکمہرج پڑھی بیٹی کو سمجھایا۔
 ”اس بیچارے کے تو پاپا ہی نہیں ہیں۔۔۔۔۔“

”He is an orphan“ فری نے بڑی دلسوزی سے کہا جیسے رونے کے لیے اشارے کی منتظر ہو۔۔۔۔۔
 ”اُوہ۔۔۔۔۔ آئی ایم سوری میں بھول گیا تھا۔۔۔۔۔ تم نے شاید پہلے بھی بتایا تھا۔“

”اس کے پاپا obviously بہت امیر ہوں گے۔۔۔۔۔ اس کی ماما تو کوئی جاب نہیں کرتیں۔۔۔۔۔“
 ”جواب والے کا بچہ فرینڈ کی کار کا رائل پے نہیں کرتا۔۔۔۔۔ پاپا کی جان۔“ سالار صاحب نے کافی کا خالی گگ
 جھک کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ لہجے میں شفقت و محبت کی حرارت واضح تھی۔

”ہاں تو پھر اس کی ماما کا کوئی بزنس ہوگا۔۔۔۔۔ سپر لکٹری لائف ہے پاپا یا ان لوگوں کی۔۔۔۔۔“
 ”یہ تمہاری عمر ہے اس طرح کی باتیں کرنے کی۔۔۔۔۔ تمہیں کس شے کی کمی ہے؟ تمہارا یہ کام رہ گیا ہے کہ بس
 آس پاس یہی نوٹ کرتی رہو۔۔۔۔۔ کہ کس کی لائف لکٹری ہے اور کس کی سپر لکٹری۔۔۔۔۔“
 سارہ خانساں کے ساتھ کچن میں مصروف تھیں اور کچن میں فری اور سالار صاحب کی باتوں کی آواز بالکل
 صاف آرہی تھی۔

موڈ تو پہلے ہی خراب تھا۔۔۔۔۔ اب اس کی بے تکی باتیں اور اس پر مستزاد سالار صاحب کا بہت دلچسپی سے اس کی
 باتیں سننا۔۔۔۔۔ گویا جلتی پر تیل کا کام ہو ا حالانکہ اتنی دیر سے وہ خود کو سمجھانے میں لگی ہوئی تھیں کہ آج کی تاریخ میں وہ
 باپ، بیٹی سے بات کرنے میں پہل نہیں کریں گی۔
 مگر زین کی دولت کے قصیدے سن کر انہیں صرف اور صرف اس وجہ سے غصہ آیا کہ ماں، باپ کی طرف سے
 ملنے والی بے حساب نعمتوں کا احساس نہیں۔۔۔۔۔ اپنے سے اوپر والوں کو رشک سے دیکھنے کے علاوہ جیسے کوئی اور بات
 ہی دماغ میں نہیں آتی۔ ماں کی اچانک مداخلت اور اس پر غصے کی شدید کیفیت۔۔۔۔۔ فری تو باپ کی جہنم ملنے کی آس
 پر جھٹھ سے ہی اکھڑ گئی۔

”زین کو میری طرح رونے کے بعد چیزیں نہیں ملتیں۔۔۔۔۔ آپ کو تو ہر چیز پہنچی لگتی ہے۔ پیسے پاپا کے ہوتے
 ہیں مگر تکلیف آپ کو ہوتی ہے۔ پاپا تو آرام سے سب کچھ دلا دیتے ہیں۔ آپ ہی پاپا کو منع کرتی ہیں۔۔۔۔۔“ یہ
 کہہ کر پاؤں پٹختے ہوئے وہ اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”سارہ۔۔۔۔۔ اتنی سختی ٹھیک نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ یہ ہمارے وقت کے بچے نہیں ہیں۔۔۔۔۔ بہت کچھ جانتے ہیں۔ دنیا
 پاکٹ میں لیے گھوم رہے ہیں۔ زیادہ وقت گھر سے باہر رہتے ہیں۔“ سالار صاحب ماحول دیکھ کر مصلحت کوٹی
 سے کام لے رہے تھے۔۔۔۔۔ ورنہ تو اکثر وہ سارہ ہی کو جھاڑ پلا دیتے تھے۔
 ”ماں اچھا برا نہیں بتائے گی تو پھر آسمان سے فرشتے اتریں گے۔؟ آپ کے لاڈ پیار نے اسے بدتمیز اور
 خود مر بنا دیا ہے۔“

”میرے لاڈ پیار نے نہیں تمہاری بے جا روک ٹوک نے اسے بدتمیز بنایا ہوگا۔ کھل کر سانس لینے دو
 اسے۔۔۔۔۔ یہ اس کے باپ کا گھر ہے۔۔۔۔۔ اسے باپ کے گھر میں کھل کر سانس لینے کی اجازت نہیں ہوگی تو پھر وہ گھر
 بتا دو جو اس کے باپ کے گھر سے بہتر ہوگا۔“ وہ بہت غضبناک دکھائی دیے۔

”قید خانہ مت بناؤ۔۔۔۔۔“ یہ کہہ کر آگے بڑھے مگر چند قدم چل کر رک گئے۔ ”پھر بتا ہے ناں کہ کیا انجام ہوتا
 ہے؟“ اور سارہ کی طرف گھورتے ہوئے بولے۔

”ایک اور تمہارے ہی گھر میں بیٹھی اپنے نصیب کو رو رہی ہے ناں۔۔۔۔۔ اُیہ الفاظ ادا کرنے کے بعد وہ ایک

ہلکے لیے نہیں رکے..... آگے بڑھتے گئے سارہ مشددری سالار صاحب کی پشت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

گراؤنڈ فلور کفرسٹ فلور سے ملانے والا ایک زینہ نیچے وسیع لاؤنچ سے اوپر چھٹ تک جاتا تھا اور دوسرا زینہ باہر پورچ کے بائیں جانب سے دونوں فلورز کو ملاتا چھٹ پر تمام ہوتا تھا مگر وہ راستہ زیادہ تر شمشیر اور وادھو ہی آنے جانے کے لیے استعمال کرتے تھے اور سارہ اوپر جانے کے لیے اندر کا زینہ ہی استعمال کرتی تھیں۔ سالار صاحب نے تو مدت سے اپنے گھر کا فرسٹ فلور ہی نہیں دیکھا تھا۔ شمشیر یا وادھو سے کوئی بات کرتا ہوتی تو نیچے طلب کر لیا جاتا..... گراؤنڈ فلور کے لاؤنچ سے ابھرنے والی آوازیں بالکل صاف اوپر لاؤنچ میں پہنچتی تھیں۔ بھائی کے آخری جملے نے سارے کام بھلا دیے تھے..... چند ٹاپے ساکت رہنے کے بعد ایک گہری سانس سینے سے آزاد کی اور وادھو کے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

”شکر ہے یہ اندر چلا گیا تھا۔ سن لیتا تو..... دونوں سنبلنا پڑتا..... ایسے ہی جیسے آگ لگ جائے تو جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگتے ہیں.....“

دو محرم ہیں..... مگر حرم نہیں ہے..... گھر اور پناہ گاہ میں بہت فرق ہوتا ہے۔“

کوئی خیال سلگ رہا تھا۔ آنسوؤں کی دھند نے دل پر اتنا دباؤ ڈالا کہ یوں محسوس ہونے لگا جیسے لوہے کے خول نے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کر دیا ہو..... گویا پرندہ بچرے میں پھنسا پڑا رہا ہو۔

☆☆☆

شکستہ سانے

اپنی حیثیت بھول کر محلوں کے خواب دیکھنے والی ایک دوشیزہ کی شکستہ زیست کا قصہ **فرح بخاری** کے قلم کا جادو

نخل و ما

ماضی کا آئینہ، با اختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات اے **آر جہوت** کے قلم کا شاہکار

شہ زور

عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور کثیف سازشوں کے جال **اسما قادری** کے قلم کا کمال

جنگ باز

معاشرتی ناسوروں اور دردوں کی خوں ریز سازشوں اور زخم زخم ہونے والے ایک جنگ باز کی دلدادہ داستان **ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم کی جادوگری

اپریل 2023ء کا شمارہ ایک نظر میں

نورسورت کہانیاں کا مجموعہ

سرسبز



مزید

مرزا امیر بیگم کی سوانح نگار وانی

شاہ زین رضوان، عائشہ نصیر، قرۃ العین سکندر، تنزیلہ احمد،

سیدہ شاہدہ شاہ، علی اختر دو دیگر کی خوب صورت تحریریں

اس کی عکاسی

”اُف..... می آپ ابھی تک ring ڈھونڈ رہی ہیں؟“ عرشلہ، شمینہ کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو اندر کا منظر دیکھ کر سر پکڑ لیا۔ وارڈ روپ وہ بھی چھ دروازوں والی خالی ہو چکی تھی..... جو کچھ وارڈ روپ میں تھا وہ بیڈ پر منتقل ہو چکا تھا۔ فرش پر جیولری باکسز کے ڈھیر تھے اور ہر سائز دستیاب تھا۔

”ظاہر ہے جب تک رنگ نہیں ملے گی ڈھونڈوں گی تو سہی ناں..... کوئی مذاق ہے..... لاکھوں کی شے ہے۔“ شمینہ غرائیں۔

”مجھے تو آپ کی فکر ہو رہی ہے..... اس عمر میں آپ اتنا اسٹریس لیں گی تو health issues“

”کوئی ضرورت نہیں میری فکر کرنے کی.....“ شمینہ کاٹ کھانے کو دوڑیں۔

”وہ ایک بکری پالی ہے تم نے اس کے گھاس، پانی کی فکر کرو.....“

”ممی..... کتنا معصوم ہے بچہ آپ کو اس پر ترس نہیں آتا۔ فرشتوں کی باتیں کرتا ہے..... آج کے زمانے میں کوئی بیک بوائے آپ کو ایسا نظر آئے گا؟ میں بھی کبھی ڈانٹ دیتی ہوں تو بعد میں بہت روتی ہوں..... یوں لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا گناہ کر بیٹھی ہوں.....“ عرشلہ بہت اداس نظر آنے لگی تھیں۔

”مجھے کسی کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی.....“ شمینہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اس لیے کہ میں اپنی بہت قیمتی شے کھو چکی ہوں خدا کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو.....“

”چھوڑ بھی دیں اس کا بچھا“ عرشلہ بری طرح جھلاتی تھیں۔

”ممی..... آپ ابھی میرے ساتھ چلیں، میں آج ہی آپ کو ڈائمنڈ رنگ دلاتی ہوں بس مجھے اپنی ریلیکسڈ می چاہیں۔“

”نہیں چاہے مجھے کچھ بھی نیا..... this ring is my asset یہ کہہ کر وہ کپڑوں کے ڈھیروں میں دونوں ہاتھ چلائے لگیں جیسے ایک بڑی بانی کیفیت میں مبتلا ہو گئی ہوں..... عرشلہ کی تسلیاں الٹا کر رہی تھیں..... گویا جلتی پر تیل.....“

”asset تو پھر میری ہی تھی ناں..... inheritance یعنی میری ملکیت وراثت کے حساب سے۔“

”عرشی.....“ وہ زور سے چلائیں۔

عرشلہ انجانے میں ہل کر رہ گئیں اور ہونٹوں کی طرح ماں کی شکل دیکھنے لگیں۔

”تم خود تو سائیکو ہو..... مجھے بھی پاگل کر کے چھوڑ دو گی.....“

شمینہ کے بوڑھے اعصاب اس سے زیادہ برداشت کرنے کی اہلیت کھو چکے تھے۔

”بہت لیٹ پتا چلا..... ممی..... ہم تو..... ابتدارل ہیں..... میں بھی اور آپ بھی..... ایک ذرا سی رنگ ہی تو کھو گئی..... ڈاکو سب کچھ تو نہیں لے گئے ناں..... فرض کریں سب کچھ لے بھی جاتے تو ہمیں فرق پڑتا؟ بیٹیکوں میں بہت پڑا ہے.....“ وہ بولیں۔

”uk“ دالے دونوں اپارٹمنٹ پاؤنڈز میں بدل ہوں گے۔ پاکستانی کرنسی میں huge amount بنتا ہے۔“ عرشلہ نے نہیں assests گنوائے۔

”باہر پورچ میں ڈیزل پڑا ہے..... چھڑک کر آگ لگا دو گھر کو..... اور اونچا بولو..... سناؤ تو کپڑوں کو..... انہی کو ڈاکو بنا دو.....“ وہ چلائیں۔ شمینہ جان چھڑانے کی نیت سے واش روم میں چلی گئیں اور زور سے دروازہ بند کیا۔

عرشلہ نے کمرے کے پھیلاوے کا طائرانہ جائزہ لیا..... پھر واش روم کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

”گلد جاب ممی..... کیپ اٹ آپ! اچھا ہے آپ کچھ دنوں کے لیے بڑی ہو گئیں.....“

عمر شلکواب شدت سے سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔ سرگھوم رہا تھا۔

☆☆☆

”پھو..... پھو.....“ فری زینے سے ہی شور مچاتی آرہی تھی۔

شمسہ ٹیسٹ پیپر زچیک کرتے، کرتے چونک کر زینے کی طرف دیکھنے لگیں۔ فری اور نچ کلر کا کامدار کرتا تنگ پانجامہ اور بڑا سادو پٹا سنبھالتی اوپر چلی آرہی تھی۔ ہاتھ میں درجن بھر میچنگ چوڑیاں پکڑی ہوئی تھیں۔

”لیٹ ہو رہی ہوں..... یہ مجھ سے پہنی نہیں جارہیں..... شاید میں نے ویٹ gain کیا ہے۔“ وہ دھپ سے صوفے پر ان کے برابر بیٹھتے ہوئے بولتی جارہی تھی۔

شمسہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”کہاں کی تیاری ہے؟“

”اچھی لگ رہی ہوں ناں.....؟“ اس نے پُرشوق انداز میں غور سے شمسہ کی طرف دیکھا۔

”ماشاء اللہ..... اللہ نظر بد سے بچائے..... بہت پیاری لگ رہی ہو..... کم از کم لڑکی تو لگ رہی ہو..... ہر وقت لڑکوں والے کپڑے پہنے نظر آتی ہو..... خیر تو ہے ناں..... یہ آج خاص تیاری کس سلسلے میں ہے؟“ وہ اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لیتے ہوئے پُرجس انداز میں پوچھنے لگیں۔

”وہ زین ہے ناں..... اس کی برتھ ڈے ہے روسانی میں گروپ کوڈز نوے رہا ہے اس نے اسپیشلی گرلز کو بولا ہے..... سب traditional ڈریس پہن کر آئیں گی اور چوڑیاں بھی ضرور پہنیں گی.....“

”یہ زین کون ہے.....؟“ شمسہ نے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر احتیاط سے چوڑیاں چڑھاتے ہوئے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

”پتا نہیں کتنی مرتبہ آپ کے سامنے زین کی کہات کی ہے۔ بھول جاتی ہیں آپ..... وہ تھوڑا، تھوڑا لڑکی جیسا ہے..... نازک سا..... سب لوگ اس کو اٹنے بدھے ٹھٹس پاس کرتے ہیں..... مگر وہ کسی کو کچھ نہیں کہتا..... پر پتچارہ ہرٹ تو ہوتا ہوگا ناں..... ویسے ہمارے گروپ میں جتنے اسٹوڈنٹس ہیں سب اچھے بچے ہیں۔“

واصف اچانک ایک طرف سے سیل فون پر نظریں جمائے سامنے آگیا۔ ایک لمبے کوفری کے نئے روپ نے اسے جیسے ٹھٹکا دیا تھا۔

اور نچ کرتے دوپٹے پر پر پل ریشم اور وہاٹ موتیوں کے نازک سے کام نے عجیب رونق بکھیر دی تھی..... دو پٹا ذرا سا کاندھے پر بانی نیچے پڑا تھا۔ سر پر onion اسٹائل کا چھوٹا سا جوڑا..... کانوں کے پاس لہراتی ہوئی ٹلیں..... اور نچ اسٹک..... نازک سی جگولری..... اتنے اہتمام سے تو شاید وہ کسی کی شادی میں بھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ کان یونیفارم اور گھر میں ٹام بوائے والا حلیہ..... شاپنگ کے لیے نکلتی تو جیجز اور کڑتی..... سارہ کے ٹوکنے کی وجہ سے دوپٹے کی جگہ اسکارف یا اسٹالر لے لیتی۔

مگر آج تو انداز ہی نرا لے تھے۔

”آج تھوڑی بہت انسانوں والی لگ تو آرہی ہے.....“ وہ سامنے کرسی پر ہی ڈٹ گیا..... نہ چاہتے ہوئے.....

وہ سامنے بیٹھی تھی۔ وہ بھی انسانیت کے جامے میں.....

”زین دیکھے گا تو بہت خوش ہوگا..... پھو وہ تو بچوں کی طرح چھوٹی، چھوٹی باتوں پر خوش ہو جاتا ہے۔ تھینک گاڈ.....“ ”روٹی شکل“ نہیں ہے۔“ اس نے واصل پر کھلا نظر کیا تھا۔

”ہائے پھو..... آہستہ..... ہاتھ درد کر رہا ہے۔“ چوڑیاں اٹلیں تو وہ کراہ کر بے ساختہ بولی..... اور ہاتھ کھینچ لیا۔

”بس سب چڑھ گئیں..... دورہ گئی ہیں۔“

واصف ابھی فری کے الفاظ کی جھن کے زیر اثر تھا۔

”شٹ اپ۔۔۔ تم مجھے کسی ڈفر کے ساتھ کچھ نہیں کرو گی..... وہ کارٹون.....“

”بو شٹ اپ.....“ فری پرتو جیسے جن سوار ہو گیا۔

”تم میری انسلٹ کر رہے ہو..... میرے فرینڈ کی نہیں..... پچھو۔۔۔ آپ سمجھائیں..... اگر اس پپارے کو پتا

چل جائے کہ میرے گھر میں لوگ اسے کارٹون کہتے ہیں تو بہت شاکٹ ہوگا..... اور بہت روئے گا۔“

”ارے وہ روتا بھی ہے؟ آج اس کی برتھ ڈے ہے میری طرف سے اسے گفٹ میں ٹشو پیپر کا پیک دے دینا۔“

”اسے تمہارے چپ گفٹ کی ضرورت نہیں ہے..... وہ ٹشو پیپر بنانے والی پوری فیکٹری کھڑے، کھڑے

خرید سکتا ہے۔ تمہاری طرح دوسروں کے گھر میں نہیں رہتا..... وہ گھر نہیں پس میں رہتا ہے۔“ فری غصے میں

تلملائی انگارے چار ہی تھی۔

شمسہ کا دل جیسے کسی نے ٹھی میں دبا کر زور سے سمجھنا تھا۔ انہوں نے سہمی، سہمی نظروں سے واصف کی طرف

دیکھا تھا۔

واصف احساس تو ہیں سے ذرا کی ذرا ساکت ہوا تھا۔

”تمہارے پاپا، ماں کا شیئر کیوں نہیں دیتے..... رہنے کو گھر دیا ہے کوئی احسان کیا ہے..... میں بڑا ہو چکا

ہوں مگر ابھی میری ماں کی چوکیداری ایسے کر رہے ہیں جیسے.....“ وہ کچھ کہتے، کہتے رک گیا۔

”جب کرنا چاہے گی تب پتا نہیں کہاں تھے.....“ وہ بڑبڑاتا ہوا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”پاپا کے سامنے بولونا..... دو لگا میں گے پکڑ کر.....“ شمسہ نے فری کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”چپ ہو جاؤ بیٹا..... اور دیکھو..... بھائی کو نہ بتانا..... پچھو بہت کمزور ہے..... بہت بے بس..... تم فکرنہ

کرو..... واصف کا سسٹر مکمل ہو جائے گا..... تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے..... میں کون ہوں بھائی سے

حصہ مانگنے والی.....! انہوں نے اتنے برس سر چھپانے کو جگہ دی..... مہربانی ان کی.....“ شمسہ کی آنکھوں سے چند

آنسو ٹپک پڑے۔

فری، شمسہ کے آنسو دیکھ کر پکھل گئی۔

”پچھو، آپ بہت اچھی ہیں..... میں نے کبھی آپ کی اونچی آواز نہیں سنی..... مگر یہ تو بالکل پاگل

ہے..... علاج کرائیں اس کا..... لوگوں کی انسلٹ کر کے یہ کنگ نہیں بن جائے گا.....“

”اوپر مت آیا کرو.....“ واصف پھر دروازے کے فریم میں استادہ نظر آیا۔

”یہ میرا گھر ہے..... میں چاہوں تو پاپا سے کہہ کر آج ہی تمہیں یہاں سے نکال دوں..... بس پچھو کی وجہ سے.....“

شمسہ نے آگے بڑھ کر واصف کو اندر کی طرف دھکیلا اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کر دیا۔

فری دھپ، دھپ کرتی زینہ اترنے لگی۔

شمسہ نے بے بسی سے واصف کے روم کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

سارہ نے سب سن لیا تھا مگر انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی، آج سے پہلے وہ ہمیشہ جھاڑ پلائی تھیں۔ مگر

آج وہ باپ بیٹی سے سخت ناراض تھیں۔

فری نیچے آئی تو ماں کو اخبار کے صفحات الٹ پلٹ کرتے پایا ایک لمبے ٹھنکی اور خود کو مرتب کیا..... اور خود کھایا

کے انداز میں بڑبڑاتی اصل مقصد ماں کو سنانا اور خود کو صاف ستھرا بنا کر پیش کرنا تھا۔

”ایک دم جاہل ہے۔ پتا نہیں کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو..... سارا موڈ خراب کر دیا۔“

”بات نہیں کرو مجھ سے..... جو بات کرنی ہے اپنے پاپا سے کرو.....“ سارہ نے اخبار تہ کر کے ٹیبل پر پٹخ دیا۔

فری نے کندھے اچکائے اور بڑی ڈھٹائی سے اپنا ہینڈ بیگ صوفے سے اٹھایا۔

”میں جارہی ہوں..... ڈرائیور کو واپس نہیں بھیجوں گی، وہ میرے ساتھ ہی ہوگا..... پاپا کو بتا دیا تھا میں نے۔“

سارہ ہنسی ان کی کر کے بچن کی طرف چلی گئیں۔

اکثر اس طرح کے سین چلتے رہتے تھے..... سالار صاحب کے کہنے سے وہ سواری کر کے ماں کو منالیتی تھی.....

مگر آج تو واصف نے اس کے اندر جیسے زہر انڈیل دیا تھا..... اس وقت اسے اس ماحول سے دور چلے جانے کی

جلدی تھی..... ماں کا موڈ..... اس کی تو پرواہی نہیں تھی۔

☆☆☆

”ایک مہینے سے کہہ رہی تھی کہ وائرنگ خراب ہے سی سی کیمرے کام نہیں کر رہے مگر تم کو تو پرواہی نہیں

تھی۔“ شمینہ نے تلاش بیکار کے بعد پھر عرشلہ پر چڑھائی کر دی تھی۔

عرشلہ کمرے کی بالکنی میں کھلی فضا میں اپنی پسندیدہ سگریٹ انجوائے کر رہی تھیں۔ کرسی کی پشت پر ٹیک لگائے

آکھیں بند کیے جانے کن پر فضا مقامات کی بغیر ٹک سیر کرنے میں مگن تھیں۔ مٹی کی چنگھاڑ پر ہڑبوا کر آکھیں کھول

کر گھورنے لگیں جیسے کچھ سمجھ نہ آئی ہو..... پھر حوض خراب ہونے کی وجہ سے برامان کر گویا ہوئیں۔

”اٹس اوکے، میں ابھی الیکٹریشن کو کال کر کے بلوالیتی ہوں..... آپ ریلیکس کریں.....“

”میں پولیس کو کال کر چکی ہوں..... جب تمہارا موڈ ہوا الیکٹریشن کو بلوالیتا.....“

”پ..... پ..... پ.....“ عرشلہ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

”مٹی..... یہ نہ کریں..... فضول میں ٹائم ویسٹ ہوگا..... ہونا کچھ بھی نہیں ہے.....“

”یہ تو کرنا پڑے گا ورنہ آئندہ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔“

”مٹی..... فضول میں تماشا نہ گنا..... ایک اور کام مل جائے گا..... پولیس کے فون اٹینڈ کرنے کا..... اب

آپ پولیس کو بھی اندر سے سارا گھر دکھا دیں.....“ عرشلہ کا بی بی شوٹ لگا..... وہ دوبارہ دھپ سے کرسی پر گر گئیں۔

”آپ کو پتا ہے پولیس آپ کے لاکرزنک چیک کرے گی۔ کب سے کہہ رہی ہوں یہ اتنا سب کچھ گھر میں نہ

رکھیں۔ تنک لاکرزن میں رکھوا دیں۔ مگر آپ کو تو بینک پر اعتبار ہی نہیں.....“

عرشلہ کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ماں کو کیسے قائل کریں۔

”ہاں تو کیسے بھروسہ کروں..... ہر دوسرے دن بینک لٹ رہے ہیں۔“

عرشلہ کے ظاہر شدہ تحفظات سے شمینہ پر کچھ اثر تو ہوا تھا کچھ فکر مند بھی نظر آ رہی تھیں۔ مگر انگوٹھی کی کشیدگی

سے آگے ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔

”خیر آپ فون کر چکی ہیں اب کیا ہو سکتا ہے..... اپنا خزانہ پولیس سے چھپا سکتی ہیں تو چھپالیں۔“ عرشلہ

نڈھال ہو رہی تھی کیونکہ ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

”ارے میں نے پولیس کو کال کی ہے..... چوروں کو نہیں..... انہی نوکروں میں سے کسی کے پاس سے رنگ

برآمد ہوگی..... تم دیکھ لیتا۔“

شمینہ جانے کے لیے مڑیں۔

”فرض کریں چور تو ایک ہی ہوگا مگر ٹائر چرتو بے گناہوں پر بھی ہوگا..... کیا یہ ظلم نہیں..... بعد میں آپ کٹھی فیل نہیں کریں گی۔“

عرشلہ کوش لگائے دیر ہو گئی تھی سگریٹ ختم ہونے کے قریب تھی۔ انگلیوں پر پیش بچھی تو سگریٹ فوراً بجھ چکی دی اور اپنی انگلیوں کی طرف دیکھتے ہوئے فرش پر پڑے سگریٹ کے ٹکڑے کو کلیپر سے منسلک دیا۔

”میں پولیس کو روم میں جانے ہی نہیں دوں گی..... بس نوکروں کو سامنے کر دوں گی..... پریشان نہ ہو.....“

شمینہ جیسے عرشلہ کے بجائے خود کو تسلی دے رہی تھیں۔ عرشلہ کا ہوا میں اڑا تیرا اتفاق سے نشانے پر جا لگا تھا۔

☆☆☆

”یار پتا تو کرو یہ فری کہاں رہ گئی..... کال ہی کی ہے نہیں کر رہی۔“ کلاس فیلو عمران عرف غمی بہت جھنجھلا رہا تھا۔

”کچھ لوگ اپنی اہمورنٹس ظاہر کرنے کے لیے جان بوجھ کر لیٹ ہوتے ہیں کیونکہ پھر پہلے سے آئے ہوئے

لوگ ان کو بہت غور سے دیکھتے ہیں۔“

شزا جو زین کی فرمائش پر پشواڑ اور بڑا سادو پٹا پہن کر آئی تھی اور مدت بعد دو زنی لباس پہننے کی وجہ سے گویا بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ جل بھن کر بولی۔

”ایک منٹ میں چیک کرتا ہوں.....“ زین اپنے سیل پر فری کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ”بیل تو ہو رہی ہے۔“

اس نے امید بھری نظروں سے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

”سرور کو تو صبح سے تیز بخار ہے..... بری طرح کھانسی بھی رہا ہے۔ میں نے کہہ دیا تھا جاؤ ڈاکٹر سے دوا لاؤ

اور اپنے کوارٹر میں رہو اندر مت آنا۔“ سارہ خفا، خفا، انداز میں فری کو تیار ہی تھیں۔

”تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا..... آپ کو پتا تھا ناں میں صبح سے تیاری کر رہی ہوں.....“ فری رونے والی ہو گئی۔

”تم ماں سے انسانوں کی طرح بات کرو تو تم سے کوئی بات کرے..... اپنے پاپا کو ہی بولو..... وہ دیں گے ناں

تمہیں پک اینڈ ڈراپ.....“

”ماما..... یہ آج آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے..... آدھے گھنٹے سے سب کے فون آرہے ہیں.....

سب بچے چکے ہیں۔“

”ارے..... تم ابھی تک گھر میں ہی ہو..... ابھی تک تمہاری تیاری مکمل نہیں ہوئی.....“ سالار صاحب بیڈ روم

کا دروازہ کھول کر باہر آئے تو حیرت سے فری اور سارہ کو باری، باری دیکھنے لگے۔

”سرور کو تیز بخار ہے صبح سے کوارٹر میں ہے، میرے ذہن سے ہی نکل گیا تھا۔“ سارہ نے آف موڈ میں ہی

جواب دیا۔

”اب آپ اس کی خدمت کریں..... ڈراپ کر کے آئیں.....“ یہ کہہ کر سارہ باہر کی طرف جانے لگیں۔

”میں پاپا کو engage نہیں کروں گی..... آن لائن ٹیکسی منگاتی ہوں.....“ سارہ جاتے جاتے پلٹ آئیں۔

”کوئی ضرورت نہیں..... اس تیاری کے ساتھ تم اکیلی ٹیکسی میں جاؤ گی.....؟“

”یہ لیں..... پاپا..... ماما کو بتائیں آن لائن ٹیکسی سیف ہوتی ہے۔“ فری کی تو غصے سے ٹانگیں کاٹنے

لگیں..... وہ لیٹ ہو رہی تھی۔ فریڈ زکی کال پر کال آرہی تھی۔

سالار صاحب نے ایک سوچتی ہوئی نظر بیگم پر دوڑا کر سارہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بیوی کو حد سے زیادہ ڈی

گریڈ تو نہیں کر سکتے تھے۔ خوب صورت جوان بھی بنی بیٹی تو ویسے ہی انڈیشے اٹھانے لگتی ہے۔
 ”ایک منٹ میں واصل کو کہتا ہوں.....“ انہیں فوراً مفت کے نوکر کا خیال آیا..... جو کہ اکثر آتا رہتا تھا۔
 ”واصف.....؟“ فری کو زور سے جھکا لگا تھا۔

”پاپا..... واصل Fortuner ڈرائیو کر لے گا.....؟“ وہ الجھن میں نظر آئی۔
 ”Fortuner“

سارہ نے گھور کر دیکھا تھا۔

تم Fortuner لے کر جاؤ گی.....؟ تین ہزار کا پٹرول لگ جائے گا۔“

”تو آپ کا کیا خیال ہے میں ”Mira“ میں جاؤں گی اپنی انسلٹ کراؤں گی؟“

”پلیز سارہ..... اس وقت یہ بحث نہ چھیڑو..... یہ لیٹ ہو رہی ہے۔“ سالار صاحب نے نرم لہجے میں مصلحتی بیوی کو ٹوکا..... ساتھ ہی بلند آواز میں واصل کو آواز دی۔
 ”واصف.....“

”ایک منٹ بھائی، میں بھیجتی ہوں، اس کے کمرے کا دروازہ بند ہے۔“ فوراً ہی شمسہ کی آواز آئی۔ ساتھ دروازہ دھپ، دھپ بجانے کی آواز سنائی دی۔

سارہ نے دونوں باپ، بیٹی کی طرف ایک سوچتی ہوئی نظر دوڑائی۔ اس وقت وہ خود کو درحقیقت بہت بے بس محسوس کر رہی تھیں۔

چند سیکنڈز میں واصل بھاگنے کے انداز میں زیر اثر ہوا نظر آیا۔ اور آخری سیڑھی پر پہنچ کر حیران نظروں سے تینوں کی شکل پر لکھا پڑنے کی کوشش کی۔
 ”جی ماموں.....“

”یار..... فری کو شاہراہ فیصل پر ڈراپ کرتا ہے، سرور کی حالت ٹھیک نہیں..... وہ ڈرائیو نہیں کر سکتا۔“

”صرف..... ڈراپ ہی نہیں کرتا ہے، واپس لے کر بھی آتا ہے.....“ فری نے پورا شیڈول بتایا۔

”کتنی دیر تک کا پروگرام ہے؟“ واصل نے براہ راست فری سے پوچھا۔

”تمہاری کیا فلائٹ کنفرم ہے؟“ اب جتنی بھی دیر لگے..... سالار صاحب نے برہمی سے واصل کی طرف دیکھا۔

”پھر بھی ماموں..... کچھ تو پتا.....“

”بس..... زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں..... فالتو میں پلنگ توڑتے رہتے ہو۔ وہیں گاڑی لاک کر کے سو جانا۔“

”جاؤ میرے روم سے چابی لے آؤ.....“

”کون سی گاڑی لے کر جاتی ہے؟“ سارہ فوراً ہی وہاں سے چلی گئی تھیں۔ بگڑا ہوا سالار صاحب نے واصل کا سوال سن لیا تھا۔

”Fortuner“ سالار صاحب نے جواب دیا۔

”Mira“ میں بھی تو جا سکتے ہیں..... اسے واپسی حیرت ہو رہی تھی۔

”تم نے سنا نہیں پاپا نے کیا کہا ہے..... کان صاف نہیں کرتے کیا؟“ لیٹ ہونے کی وجہ سے فری بری طرح پھٹ پڑنے کو تیار تھی۔

”لوگوں کو پتا نہیں کہ کان کی صفائی سے زیادہ دل کی صفائی ضروری ہے۔“

واصف کو اس وقت اپنی اہمیت کا اندازہ تھا..... اس نے موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سالار صاحب خون کا۔

کھوٹ پی کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

”good. God..... اس فری کی بچی نے تو مراد ہی دیا.....“ زین تنگ جنیز اور کڑھائی والی چھوٹی سی کرتی میں دونوں ہاتھ اپنے گالوں پر رکھے دائیں بائیں ہلکورے لیتے ہوئے الیزڈو شیزہ کے انداز میں بے چینی کا اظہار کر رہا تھا۔ اسی وقت اس کے فون کی اسکرین روشن ہوئی فری کا فوٹو لنک ہو رہا تھا ساتھ ہی ماحول میں رنگ ٹون نے انتشار پیدا کیا۔

”اللہ میاں جی رحم کرنا..... کہیں silly نے سوری بولنے کے لیے کال نہ کی ہو.....“ زین نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑی ادا سے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اور کال لی.....

”ہے..... لو..... ڈنیر..... جان لو کی کیا..... enough is enough“

”زین کی بس ہو چکی تھی..... اس نے ساتھیوں کی خاطر اپنی آن کر دیا۔

”میں راستے میں ہوں..... آج بہت سارے لوگوں کی ایک ساتھ ڈنیر ہو گئی تھی۔ بس میں زندہ بچ گئی..... بس پہنچ رہی ہوں.....“

فری کی آواز گونجی اور سب ہکا بکا رہ گئے تھے۔

”بہت سارے لوگوں کی ڈنیر؟“

☆☆☆

”ڈرا اسپڈ دو.....“ فری سب فون بیک میں رکھتے ہوئے واصف کی طرف دیکھ کر غرائی۔

”آگے والے اسپڈ دیں گے تو اسپڈ دوں گا..... اگر کہو تو ان پر چڑھا دوں..... پھر تم پارٹی اٹینڈ نہیں کر سکو گی.....“

”پھر بھی تم اس طرح ڈرائیو نہیں کر رہے جس طرح کرنا چاہیے..... سب اور ٹیک کرنے کا چانس دے رہے ہو.....“

”اتنا کچھ پتا ہے تو خود ڈرائیو کر لیا کرو.....“

”میں کمفرٹس میں رہتی ہوں..... فضول میں کیوں خود کو تھکاؤں؟ بہر حال تمہیں ابھی ٹھیک سے ڈرائیو نہیں کرنا آتا..... ہو سکتا ہے Fortuner میں بیٹھ کر کانفیڈنس لو کر گئے ہو۔“ فری نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ واصف کی طرف دیکھا۔

”ایسا کرو تم آن لائن ٹیکسی چلانا شروع کر دو..... ہاتھ بھی صاف ہو جائے گا..... پچھو کی بھی ہیلپ ہو جائے گی..... پچاری رات کو جاگ، جاگ کر نوٹ بکس چیک کرتی رہتی ہیں۔“

فری اتنی لالہالی یا بنیادی ذہانت سے عاری تھی کہ لگژری گاڑی ڈرائیو کرنے والے کو دور این ڈرائیونگ ڈبئی اذیت دے رہی تھی۔

مگر دوسری طرف کمال کا ضبط تھا۔

”مشورہ اچھا ہے مگر باؤنڈنگ بہت زیادہ ہے..... ویسے میں آج کل ہوم ٹیوشن کے لیے کوشش کر رہا ہوں

تاکہ ماموں کو گھر کا کرایہ تو دینا شروع کروں.....“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم ہمیں کرایہ دینا شروع کر دو..... its none of my business“

فری نے بڑے شاہانہ و منفرد انداز میں کاندھے اچکاے۔

”جو دے سکتا ہوں..... وہ لوگ لیں گے نہیں اس لیے کم از کم کرایہ تو دینا شروع کروں۔“

”خود ہی سوچ کر خود ہی خوش ہو جایا کرو..... سنڈے بازار کی شرٹ پہن کر تم بل گیٹس کا بزنس پارٹنر بننے کا سوچا کرو..... سوچنے میں کہا جاتا ہے۔“ فری نے ایک مہر پور طنزیہ قہقہہ لگایا تھا۔

اس کے سیل فون کی رنگ ٹون سنائی دے رہی تھی۔

وہ بیک سے فون نکالنے لگی..... جیسے سب کچھ بھول گئی تھی۔ بدحواسی کا انداز تھا۔
 ”سوچنے میں وقتی کچھ نہیں جاتا..... میں تو وہ کچھ سوچ لیتا ہوں جو تمہارا باپ بھی نہیں سوچ سکتا۔“ میئر بدلتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے فری کی طرف دیکھا جو کال لے رہی تھی۔

☆☆☆

”ششم..... میں ذرا سدرہ (فرینڈ) کی طرف جا رہی ہوں..... اس کی مدد کی ڈیجھ ہوگئی ہے کینیڈا میں..... میں ابھی تک تعزیت کے لئے نہیں گئی۔“ سارہ اوپر کا شرمشکے کو اپنے پروگرام سے مطلع کر رہی تھیں۔

”ٹھک سے بھائی..... بھائی تو گھر سے ہی ہیں ناں.....؟“

”ہاں..... وہ ابھی تک لیپ ٹاپ پر بیڑی ہیں..... نوبت تک ہی کھانا کھائیں گے..... سب کچھ تیار ہے بس تم دو تین چپٹائیاں ڈال دینا..... خالصاں اس سرور کی خدمت میں لگا ہوا ہے..... میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ سرور کو آٹو میں لے جا کر برابر تک ایک کمرہ دے.....“

”ٹھیک ہے بھائی..... آپ بے فکر ہیں، میں دیکھ لوں گی.....“ شمشہ نے ادھر ادھر کھڑے پیرز سینیٹا شروع کر دیے۔ جب سے نئی پرنسپل آئی تھی ان کا گھر تو کسی سرکاری دفتر کا نقشہ پیش کرنے لگا تھا۔

خود بھی پھر تلی تھی اور اسٹاف کی بھی دوڑیں لگواتی تھی۔ کوئی کام دینے کے آدھے گھنٹے بعد ہی چپراسی کو بھیج کر پوچھ لیتی تھی کہ ”ہو گیا“ کوئی پیریدہ خالی نہیں مل رہا تھا اور صبح جاتے ہی اسے ”منڈوینا“ ہوتا تھا کہ ہوم ورک چیک ہو گیا..... ڈائریز بھی منٹ لگیں۔ ٹیٹ پیریز بھی تیار ہیں وغیرہ وغیرہ.....

پندرہ سال پرانی ملازمت پر وقت داؤ پر لگی تھی۔ سالانہ انگریمنٹ کے بعد اچھی خاصی سیلری ہو چکی تھی۔ کہیں نئے سرے سے حاب کرنا پڑی تو پھر زیرو سے آغاز ہوتا۔

جواب ان کی شدید مجبوری تھی۔ بھائی نے رہنے کا ٹھکانا دیا ہوا تھا یوٹیلیٹی بلز تو ان کی اپنی دسے داری تھے۔ واصلہ کی پڑھائی کے اخراجات کے علاوہ جوان لڑکے کے اور بھی خرچے ہوتے ہیں وہ تو ماں کا ہاتھ بٹانے کے لیے ہر وقت تیار تھا مگر شمسہ خود اسے روکتی تھیں اس کے روشن مستقبل کے لیے انہیں اس کی چستی ہوئی ڈگری کا شدت سے انتظار تھا۔ ان کا خیال تھا پرائیویٹ سکول میں سیٹھ خون نچوڑ کر گھر بھیجتا ہے کیونکہ وہ خود بھی ساہا سال سے ایک برائنڈڈ اسکول کے سیٹھ بھگتار ہی تھیں۔

واصف ایم بی اے کے آخری مراحل سے گزر رہا تھا اور وہ جیسے پل، پل گن رہی تھیں۔

سارہ نیچے جا چکی تھیں۔ شمسہ نے کلاک کی طرف دیکھا اور گہری سانس لی۔

گھر میں کوئی نہیں ہے..... بھائی کے سامنے کھڑے ہونا ہے اور صبر و برداشت کا ایک پہاڑ سر کرنا ہے۔

☆☆☆

ایک روئی کہانی میں کسی صابروشا کرسان کا قصہ تھا جس کے مزبور شکر پر شیطان کو بہت تکلیف تھی۔

ایک روز بھوک سے غم حال کسان کی روٹی چرا کر اس نے کسان کا صبر آزما یا مگر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ کسان جب بھی شکر کر رہا تھا کہ چلو کوئی مجھ سے بھی زیادہ بھوکا ہوگا تب ہی تو روٹی چرانے پر مجبور ہوا..... شکر ہے میری روٹی کسی بھوکے کے کام آگئی۔ شیطان کو تو یہ دیکھ کر شدید غصہ آیا..... بھوک تو سب سے بڑی آزمائش ہوتی ہے وہ بھی کسی محنت کش دھوپ میں جھلنے کسان کی..... اب تو شیطان اس کے پیچھے ہی پڑ گیا کہ نکالتا ہوں تیرا صبر و شکر..... اس نے کسان کو جواگانے کی ترکیبیں بتانا شروع کیں اور اسے گر سکھایا کہ بارشوں کی وجہ سے ہر سال جو کی فصل تباہ ہو جاتی ہے تم ہمارے زمین کے بجائے ڈھلوان پر جو کاشت کرو..... بارش کا پانی ڈھلوان پر رک نہیں سکے گا اور فصل خراب نہیں ہوگی۔

شیطان کی بتائی گئی تدبیروں سے غریب کسان خوشحال ہو گیا۔ جو کاسب سے بڑا بیوپاری بن گیا۔ اپورٹ ایکسپورٹ پھر جو کی شراب کشید کرنے والی فیکٹریاں، کارخانے محل جیسے گھر میں نوکروں کی فوج..... دعوتیں، تہوار شاہانہ انداز میں منائے جانے لگے۔

شہر کے رئیسوں کو بہترین شراب ملتی جو کسان کی خوب صورت بیوی اپنے ہاتھوں سے سرو کرتی کہ کسان کی خصوصی ہدایت تھی۔

ایک رات شراب سرو کرتے ہوئے ایک لڑکھڑاتے ہوئے رئیس کے ٹکرانے سے شراب کے بلوری پیالے جو سونے کی ٹرے میں خاص ترتیب سے لگے ہوئے تھے فرش پر گر کر پھٹنا چور ہو گئے۔ باغی کے صابروشا کر غریب کسان نے بھری محفل میں ایک زناٹے اور تاجر بیوی کے رخسار پر رسید کیا۔ اور زور سے چلایا۔

”تیرے باپ کا مال ہے..... جو بھی بکتی پھر رہی ہے؟“ شمینہ کی ہیرے کی انگلی..... کسان کے ٹرے میں بچے ہوئے شراب کے چند پیالے تھے۔ ان کی پوری ہستی بل کر رہ گئی تھی۔

برصغیر میں عورت کی اوسط عمر کے حساب سے وہ زندگی کے آخری دور سے گزر رہی تھیں۔ مگر ہیرے کی انگلی میں جان انک کر رہی تھی..... علاقے کا ایس پی چٹری پٹیلی پر راتے ہوئے وسیع و عریض لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ ایک لیڈی کاشییل اور دو سپاہی ایک طرف کھڑے حکم کے منتظر تھے۔ شمینہ بھاری صوفے کی سنگل سیٹ پر بازو پھیلائے بڑے رعب و دبدبے کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

تمام ملازمین لائن حاضران کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے، تھرکانپ رہے تھے۔ عرشہ کو پولیس کے آنے کی خبر تو مل گئی تھی مگر وہ بیڈروم کے حلیے میں تو باہر نہیں آسکتی تھیں پھر انہیں پولیس کی آمد سے جو شاک لگا تھا سنبھلنے کے لیے بھی کچھ وقت چاہیے تھا۔ وہ جینز اور لوہڑی شرٹ میں بلیوس آئینٹین فولڈ کرتی باہر آئیں تو ایس پی نے چونک کر الٹرا ماڈرن حسین و جمیل خاتون کی طرف دیکھا۔

”یہ میری بیٹی ہے عرشہ صدائی.....“ شمینہ نے آف موڈ میں تعارف کرایا۔

”آپ دونوں کے علاوہ کوئی اور فیملی ممبر.....؟“ ایس پی نے دونوں کے چہروں کو باری، باری ناقدانہ انداز میں دیکھا۔

”میرا نواسہ، عرشہ کا بیٹا.....“ شمینہ نے فوراً جواب دیا۔

”کیا عمر ہے اس کی..... اس وقت کہاں ہے؟“ ایس پی نے براہ راست عرشہ سے سوال کیا۔

”میں سبال..... اور وہ ابھی باہر ہے۔ گھر پر نہیں ہے۔“ عرشہ نے ماں کی طرف خفا، خفا انداز میں دیکھتے

مٹی کی ڈو

اسکر کا قول ہے۔ ”تم مجھے کسی بھی رنگ، کسی بھی لسل، کسی بھی قوم کے بچے دو میں انھیں ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، ڈاکو، چور یا کچھ بھی بنا سکتا ہوں۔“ یعنی وہ تربیت پر اس قدر یقین رکھتا تھا۔ ماہر نفسیات کے بقول شخصیت..... ارث اور ماحول کا حاصل ضرب ہوتا ہے۔ ایک ماں کی ذمہ داری ہے بچوں کی بہترین پرورش..... انہیں نکھارے۔ یہ وہ dough (کوری مٹی) ہے جسے مختلف سانچوں میں ڈھال کر کسی بھی روپ میں سنوار سکتے ہیں۔ لیکن بقول بدست حواس ڈو دو کو دنیا میں لانے ہی میں ختم ہو جاتے ہیں تو مزید تخلیق اور جدت کہاں کریں نکھار اور سنگار کہاں کریں۔ ساس کا حکم..... بی بی اپنے رب کا حکم مانو بچوں کا کچھ خیال کرو۔ شوہر کا مطالبہ سچ سنو کر ہو سکر اہٹ کے ساتھ استقبال کرو، تو اصرار کرو۔ دل کہتا ہے اپنی ذات کا بھی حق ہے۔ یوگا کرو، ورزش کرو، متوازن غذا لو، ڈھیر سارا بانی پو اچھا میک اپ کرو، پابندی سے پارکر جاؤ اگر ایسا نہیں کرو گی تو تمھارے شوہر کہیں اور دلچسپی لینا شروع کر دیں گے۔ پھر ہاتھ ملتی رہ جانا۔ ارے گھر کو جاؤ سنوارو گھر کا ہر کونا آئینے کی طرح چمکنا چاہیے۔ تمام رشتے داروں اور محلے والوں سے بہتر ایشیا ہمارے پاس ہونی چاہیے۔ اگر گھر گندا ہوگا تو اچانک آنے والے مہمان کیا کہیں گے۔ بچوں کی پکار..... امی آپ کو تو کچھ بتائیں آج کل ایسے نہیں ہوتا آپ کو تو لیپ ٹاپ بھی استعمال کرنا نہیں آتا۔ میرے دوست کیا کہیں گے۔ میری بے عزتی ہو جائے گی۔ آپ کو تو سادہ سی عام ی ڈش بنانی آتی ہیں کبھی اٹالین، چائینیز، کوئٹل وغیرہ بنائیں۔ ابا میاں، اماں، امی جان، شوہر اور بچوں کا خیال کرنا ان کی ضرورتیں وقت پر پوری کرنا۔ میکا، برشتہ داروں کا، بھائی، بہنوں کا خیال رکھنا۔ پارک جانا، جم جانا کلب جانا غرض کتنے ہی کام ہیں ایسے کہ جیسے سیکڑوں ہاتھ ہوں۔

میدیا پر باڈ پارا بنانے کی تصویر کشی کی جاتی ایک ہی جملے کی تکرار کہ ظلم ہو رہا ہے، ظلم کا ساتھ دینے والا ظالم ہوتا ہے۔ یہ سب تو ہو رہا ہے۔ زمانے سے ہو رہا ہے۔ عورتیں پہلے سب کچھ خوشی خوشی کرتی تھیں اب بوجھ بھگتی ہے۔ یہ جملے تھوڑے بن کر سر پر برسے ہیں ناسور بن کر زندگی کو نگل لیتے ہیں مگر اس کا حل بھی تو ڈھونڈنا ہے اور ایک مضبوط حکمدار اور متحرک خاتون ہے سب کرسکتی ہے مگر اس سب میں پورا گھر انا دگر ہو تو ب کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ اور وہی آج کا بیچام ہے جسے ہر فرد کو سمجھنا ہے۔

از قلم: نصرت مبین

ہوئے جواب دیا۔

”آپ اسے بلوالیں.....“ ایس پی نے روبرو کے ابدال میں کہا۔ عرشہ نے بری طرح چونک کر ایس پی کی طرف دیکھا۔

”وہ اپنے فریڈز کے ساتھ اپنی برتھ ڈے سیٹی بریٹ کر رہا ہے..... میں اسے نہیں بلوا سکتی..... اور میں اسے کیوں بلواؤں.....؟ وہ میرا بیٹا ہے چون نہیں ہے۔“ عرشہ نے بدقت اپنی مشتعل کیفیت کنٹرول کی۔

”دیکھیں میم..... جب کوئی واردات ہوتی ہے تو تمام متعلقہ لوگوں سے تفتیش کرنا ہوتی ہے۔ مجرم تو ایک ہوتا ہے پوچھ کچھ کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔“

”آفسر آپ مجھے مطلب نہ سمجھائیں..... میں اپنے بیٹے کی انسٹل برداشت نہیں کروں گی..... یہ سب میرے پرانے سروٹس ہیں..... مجھ سے تو ان کی انسٹل جمی برداشت نہیں ہو رہی..... مگر مٹی کی خاطر یہ تکلیف برداشت کر رہی ہوں.....“ عرشہ اندر کا طوفان روکنے کی جدوجہد میں جیسے کا پٹے لگی تھیں۔

”یعنی آپ دونوں ماں، بیٹی ایک ہیج پر نہیں تھیں تو آپ نے ہمیں کیوں پریشان کیا۔ آپ جانتی ہیں جب ہم

آن ڈیوٹی ہوتے ہیں تو ہمارا ٹائم کتنا قیمتی ہوتا ہے۔“ ایس بی کی انا تو ایسے ہی بارود کا ڈھیر ہوتی ہے ذرا سی چنگاری سے بھڑک جاتی ہے۔ وہ ناراض نظر آیا تو شمینہ فوراً کھڑی ہو گئیں۔۔۔۔۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔۔ آپ ان سے پوچھ پڑتال کریں۔۔۔۔۔ اور مال برآمد کریں۔“ شمینہ نے۔۔۔۔۔ دو ٹوک انداز میں پولیس کو اس کا کام بتایا۔

”چلو بھئی ان سب کو ڈالے میں بھاؤ۔۔۔۔۔“

نوکر، عرشلہ کی طرف فریادی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ امیر بی بی اور شبانہ تو بلک، بلک کر رونے لگی تھیں۔ عرشلہ نے شدید دکھ اور غصے کی کیفیت میں ماں کی طرف دیکھا۔

”ممی اگر ان میں سے کسی کے پاس سے آپ کی رنگ برآمد نہیں ہوئی ناں تو میں زین کو لے کر اس گھر سے چلی جاؤں گی۔“ یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختے ہوئے اپنے بیڈروم کی طرف چل پڑیں۔

ایس بی نے بہت ہوشیاری سے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ماں، بیٹی کے اختلافی رویے سے اس کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ اب وہ اس نکتے پر غور کر رہا تھا۔

☆☆☆

زین اور فری بی، پل ریلے میں تھے۔ واصف راستے بھر ٹوٹ کر رہا تھا کہ فری میچ ریسیو کر رہی ہے فوراً رپلائی کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطلوبہ مقام کی پارکنگ میں Fortuner داخل ہوتے ہی ایک طرف منتظر کھڑا زین گاڑی کے پیچھے یوں بھاگتا ہوا آتا جیسے بچے لان میں تیلی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ جیسے بس نہیں چل رہا تھا کہ چلتی گاڑی سے فری کو میچ کر باہر نکال لے۔

گاڑی رکتے ہی واصف نے ڈور لاک کھولے اور ایک مدھم سی آواز ماحول میں مرتعش ہوئی۔

فری پلک جھپکنے کے عمل میں گاڑی سے نیچے اترتی۔ انتظار کی اذیت سے غڑحال زین نے ماتا کی ماری ماں کی طرف اپنے بازو اکیے اور فری کو علا متی طور پر گلے سے لگا کر اس کے بالوں پر بوسہ دیا۔

واصف کی توجہ کیونکہ فری کی طرف تھی، زین کی موجودگی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ اسی لیے اسے زور کا جھکا لگا تھا۔

زین سگریٹ پیٹ، کٹ سیلووٹ میں ملبوس تھا۔ بالوں میں بل کھائی تار کے ڈیزائن کا ہیر بینڈ اور شرٹ کی ہم رنگ سرخ رنگ کی پونی بھی بندھی ہوئی تھی۔ واصف نے ونڈو گلاس نیچے کر دیا تھا۔ تاہم فوراً ہی چڑھایا تھا۔

”جاؤ میں تم سے نہیں بولتا۔۔۔۔۔ تم تو ویسے ہی میرے لیے آپیشل ہو، لیٹ ہونے سے تمہاری ویلیو زیادہ نہیں ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔ اپنی ویز۔۔۔۔۔ تم نے جو reason بتائی ہے اس لیے معاف کیا۔ اگر تم پہلے بتا دیتیں تو میں تمہیں پک کر لیتا۔“

زین نے فری کو کاندھوں سے تھا ہوا تھا۔

”ایک منٹ میں واصف کو بتا دوں۔۔۔۔۔“

وہ چکر کھا کر ڈرائیونگ سیٹ والی ونڈو کی طرف آئی اور گلاس نیچے کرنے کا اشارہ کیا۔ واصف نے کھولتے لہو کے ساتھ شیشہ نیچے کیا۔

”کم از کم دو گھنٹہ لگیں گے۔۔۔۔۔ تم اپنا کام کر سکتے ہو۔۔۔۔۔ دو گھنٹے کے بعد مجھے پک کر لیتا۔“ وہ بات کرتے ہوئے ساتھ، ساتھ اپنی قیمتی رسٹ وائچ میں ٹائم بھی دیکھ رہی تھی۔

”پٹرول بہت مہنگا ہے۔۔۔۔۔ ورنہ واٹر پارک چلا جاتا اور پانی میں غوطے لگاتا رہتا۔۔۔۔۔ اس وقت

103 نمبر پچر ہے۔“ اس نے دانت نہیں کر جواب دیا۔

فری جیسے مستی کی کیفیت سے چونک کر باہر آئی۔

”تمہیں بخار ہے.....؟“ اس نے پوچھا۔ ”اچھا تم کلینک جا کر میڈیسن وغیرہ لو.....“

”یہ نمور سے آگے کی کوئی شے ہے۔“ اس نے زیر لب کہا۔

”اب جاؤ یہاں سے..... اپنے مفت کے مشوروں کے ساتھ۔“ وہ یوں بولا جیسے کچا چبا جائے گا۔

فری کا خون کھولنے لگا کمزور زین مزید انتظار کی اذیت برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا، وہ فری کے قریب آچکا تھا۔ فری نے نے خود کو نارمل کیا جبراً اسکرائی۔

زین نے اسے پھر کا ندھوں سے تمام لیا اور یوں لے کر چلا جیسے نئی نویلی دلہن کو جگہ عروسی میں لے جایا جاتا ہے۔

داعف نے گاڑی بیک کی اب وہ طریقے سے پارک کر رہا تھا۔

ہاتھوں میں اتنی حدت تھی گویا اس نے دھوپ میں کھڑی گاڑی کا اسٹیرنگ پکڑ لیا ہو۔

☆☆☆

”دعیم، دعیم.....“ سالار صاحب نوکر کو آواز دیتے، دیتے کچن کے سامنے آچکے تھے۔ شمشیر عجلت کے

انداز میں چپائی تیل رہی میں۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ سالار صاحب کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

”جی بس آپ بیٹھیں..... میں کھانا لگا رہی ہوں.....؟“ شمشیر نے بھائی کو سامنے پا کر ہمیشہ کی طرح سارا

اعتماد کھودیا..... یوں لگا جیسے سارے جسم پر عرشہ طاری ہو گیا ہے۔

”وہ خانہ ماں نہیں.....“ انہوں نے بولنا چاہا..... بات ادھوری رہ گئی۔

”تم سے کس نے کہا تم میرے کچن میں آکر یہ ڈرامے بازی کرو.....“

”وہ بھائی.....“

”اوپر جاؤ..... مجھے نہیں کھانا.....“ وہ بولے۔

”یہ اتنے نوکر پل رہے ہیں..... حرام کھاتے ہیں..... بیس، بیس ہزار تنخواہ لے رہے ہیں..... سالے، نمک

حرام، کام چور.....“ وہ غصے میں بڑبڑاتے واپس بیڈروم کی طرف جا رہے تھے۔

شمشیر نے نیلی ہوئی چپائی رو بوٹ کے انداز میں توے پر ڈالی اور دانتوں تلے ہونٹ دبالیے..... اب وہ

بلک، بلک کر رو رہی تھیں۔

☆☆☆

”تم سب ایک نمبر کے کچن ہو..... gyes..... تم اتنے سارے اور یہ اتنا سادہ.....“ زین چھوٹا سا گفٹ

پیک ہاتھ میں پکڑے حیرت و تعجب سے دیکھ رہا تھا اور کسی گاؤں کی گوری کی طرح اپنی بی، بیسی پلکیں چپک رہا تھا۔

”ارے اس میں بم ہے.....“

ربیعہ نے جملہ پھینک کر تالی بجائی۔

زین بڑی ادا سے اور خوفزدہ انداز میں جلدی سے گفٹ پیک میز پر رکھ رہا تھا۔

”oh my Almighty“ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر چمت کی طرف دیکھا۔

”ڈرا دیا..... لے کے.....“

سب لطف اندوز ہو کر کلکلا کر ہنس پڑے تھے۔

”ڈرپوک.....“ حارث نے زین کی پشت پر دھبہ رسید کی۔
 ”اگر اس میں ٹائم ہم ہوتا تو ہم نہیں چھوڑ کر بھاگ چکے ہوتے۔“ سمیر نے زین کی پونی پر دستِ شفقت دھرتے ہوئے گویا سی دی۔

”اب تم یہ ہمارے سامنے کھلو گے.....“ زویا نے پیک اٹھا کر زین کو تھمایا۔
 ”تم لوگوں نے ضرور کوئی خطرناک جوک کیا ہوگا..... ذرا میری ہارٹ بیٹ چیک کرو.....“ اس نے زویا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

”اتنے چھوٹے سے پیک سے ڈر رہے ہو.....؟“ عدیل نے ایک جھٹکے سے زویا کے ہاتھ سے پیک جھپٹ کر چیر بھاڑ شروع کر دی۔ ”میں بھوک سے مرنے لگا ہوں.....“
 ”اس کوئن وکٹوریہ نے ویٹ کرا کے آج ہمارا ڈھکس نکال دیا ہے۔“

”مجرکس.....“ سمیر نے صبح کی۔
 ”یار تمہاری اردو تو گزرا رہے لائق بھی نہیں.....“

عدیل اس دوران کارروائی مکمل کر چکا تھا۔ ایک بلیک ویلیوٹ کے کوروالا جیولری باکس سب کے سامنے تھا۔
 ”واؤ.....“ زین کی آنکھیں خوشی سے ستاروں کی طرح دکھنے لگیں۔ جیولری تو اس کی کمزوری تھی۔
 ”oh bundle of thanks“ اس نے مسرت سے معموڑ لہجے میں کہا اور عدیل کے ہاتھ سے باکس لے لیا۔

”پہلے کھلو تو..... بعد میں ٹھیک یو ہوں۔“ زین نے پھر ڈر کر سب کی طرف دیکھا۔
 ”بابا کھلو..... ورنہ میں تمہیں کھا جاؤں گا.....“ عدیل نے گلا پکڑنے کے لیے زین کی طرف ہاتھ بڑھائے۔
 ”اوکے..... اوکے.....“ زین نے سہم، سہم انداز میں سب کو باری، باری دیکھتے ہوئے باکس کھولا..... سامنے شیش پش دکن سونے کی چین تھی۔ زین کا منہ خوشی سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔
 ”lovely.....“ اس نے سب کی طرف ہوائی بوسہ ارسال کیا۔

عدیل اب کیک کی طرف متوجہ ہوا۔
 ”تم گولڈا نجوائے کرو..... میں کیک کھا رہا ہوں.....“
 ”پپی برتھ ڈے..... پپی برتھ ڈے؟“ زویا نے کیک فوراً اٹھالیا۔
 ”صبر کرو یار.....“ فری نے جلدی سے چھری اٹھا کر زین کے ہاتھ میں دی۔
 حارث نے جیب سے لائٹر نکال کر کینڈل روشن کی۔ اب سب ہی ہم آواز ہو کر برتھ ڈے کا خاص گیت گاتے تھے۔

☆☆☆

وامف بیک سیٹ پر جا کر لیٹ گیا تھا۔ مگر اسے آسانی اور بغیر انتظار کیے نیند تو کبھی بستر پر نہیں آتی تھی تو گاڑی میں کیا آتی تھی۔

”تمہارے پیئرس کو اندازہ نہیں کہ ماڈرن دنیا کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے بالآخر عورت کس حال میں نظر آتی ہے۔ تمہا..... رشتوں سے آزاد عورت..... کتنی قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ مگر میں تمہاری روح..... تمہاری purity کو بچانے کے لیے آخری حد تک جاؤں گا۔ کیونکہ تم ”ہمارا گھر“ ہو..... اور اب گھر میں دوسرا حادثہ نہیں ہونا چاہیے۔“

(جاری ہے)